بلوچی غزل کا ارتقاء

ثریا بلوچ

Abstract:

The history Balochi Poetry is very ancient and deep rooted but the history of lyric is very new and earlier. The lyric is not a native style of the Balochi literature but has come from the neighboring languages like. Persian and Urdu.

In the passage of time, the Baloch lyric has developed and introduced itself a different and unique style among the neighboring languages. IN the modern poetry, the Balochi Lyric Has identified itself provided a major portion to the Balochi Literature.

عشق وعاشقی غزل کا سب سے بڑا موضوع رہا ہے اور عموماً غزل میں حُسن وعشق کی مختلف کیفیات مثلاً درد وغم، ہجر ووصال، ظلم و ستم، سوز وگذار، بے وفائی اور محبوب کے ناز ودار وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ تاہم غزل میں اتنی وسعت ورنگارنگی اور تنوع موجود ہے جتنی زندگی یا کائنات متنوع اور وسیع ہے اس ہمہ گیری کے سبب غزل میں مذہبی، معاشرتی، تہذیبی، سیاسی انقلابی اخلاقی فلسفیانہ حکیمانہ اور عاشقانہ موضوعات پر اظہار خیال کیا جاتا ہے غزل کا ہر شعر معنوی اعتبار سے ایک مکمل اکائی کہلاتا ہے غزل کی زبان دیگر اصناف شعر کے مقابلے میں بالعموم سادہ سلیس اور شستہ ہوتی ہے تشبیہ اور استعارہ کا مناسب استعمال غزل میں حسن اور دلکشی پیدا کرتا ہے۔

مرزا ادیب کے الفاظ میں "غزل ہماری شاعری کی سب سے بڑی صنف ہے"۱

رشید احمد صدیقی غزل کو اردو شاعری کی آبرو سمجھتے ہیں۔۲

اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نزدیک غزل گوئی اردو شاعری کی سب سے بڑی اہم اور متعبر روایت ہے۔۳

تغزل کی تعریف ڈاکٹر عبداللہ نے یوں کی ہے۔

> " تغزل دراصل بیان کی اس دل آسا خیال انگیز اور درد مندانہ کیفیت کا نام ہے جو جذبات درد شوق کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے اسکا پیرایہ بیان رمزی اور ایمائی ہوتا ہے یہ شیریں سبک اور خیال انگیز لفظوں میں خاص طور پر جلوہ گر ہوتی ہے الفاظ و

جذبات کے اس دھیمی موسیقی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی لطافت کو کسی قسم کا ثقل اور کسی نوع کی رکاکت گوارا نہیں غزل کی عمارت خارجی طور پر سبک، سلیس اور شیریں الفاظ سے تیار ہوتی ہے مگر اسکی روح ان الفاظ لطافتوں سے ظہور میں آتی ہے جو لذت الم اور درد و شوق کا نتیجہ ہیں مختلف مبصرین اردو غزل کے بارے میں اپنی رائے اسطرح پیش کرتے ہیں غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا گیا ہے اس کا دامن انسانی جذبات کی پہنائیوں اور کائنات کی وسعتوں کا امین ہے غزل میں ہر نوع مضامین معرض اظہار میں آتے ہیں۔ ایجاز و اختصار نے باقی اصناف نظم کے مقابلے میں غزل کو زیادہ موثر بنادیا ہے غزل ہی میں کسی شاعر کے کمالات کا اظہار ہوتا ہے ہر چند کہ باقی اصناف نظم کی اپنی اہمیت ہے لیکن غزل اپنی خصوصیات و صفات کی بنا پر ایک ممتاز اور منفرد مقام رکھتی ہیں چنانچہ شاعرانہ کمال کے اظہار کے لیے یہاں قصیدہ نگاری کو کسی زمانے میں اہمیت حاصل تھی آج اردو غزل اس سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے جدید اردو غزل نئے نئے تجربات کی زد میں ہے اسکے مقابلے میں کئی ایک اصناف نظم مقبولیت کا دعوی کرتی ہے لیکن تاثیر، وسعت اور مقبولیت کے لحاظ سے آج بھی غزل عوام و خواص کی پسندیدہ صنف شاعری ہے آج کا شاعر بھی غزل میں طبع آزمائی کر کے اپنے شاعر ہونے بلکہ قادر الکلام شاعر ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ ۴

سید عابد علی کے الفاظ غزل کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ ..... غزل کو اصلاً ناز و نیاز کی کیفیات اور حسن و عشق کی واردات سے مربوط ہونا چاہیے۔

۲..... زبان جہاں تک ہو سکے نرم و شیریں اور بیان دلکش و دلپذیر ہونا چاہیے کہ سخن کے پردے میں صنف نازک سے گفتگو مطلوب ہے۔

۳..... غزل کو ابتذال اور چھچھورپن سے پاک ہونا چاہیے۔

۴..... محبوب سے خطاب کا انداز و اسلوب نیاز مندانہ ہونا چاہیے غزل سرا کے لیے تفاخر و تکبر کا اظہار ممنوع ہے

۵..... جہاں تک ہو سکے محسنات کلام سے احتراز کرنا چاہیے بات پیچیدہ نہ ہو جائے اور توجہ اصل مقصد سے ہٹکر ضائع و بدائع لفظی و معنوی پر مرکوز نہ ہو جائے۔۵

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غزل کے موضوعات محض عشق مجازی تک محدود کر دیئے جائیں بلکہ جس قدر زندگی اور اس کے مسائل وسیع ہیں غزل کے موضوعات بھی اتنے وسیع ہونے چاہیے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے موقف پر غیر معمولی زور دیا ہے کہ غزل بہ اعتبار مضامین اور خیالات کے جہاں تک ممکن ہو وسعت دینی چاہیے اور غزل کو محض عشقیات میں اور عشقیات کو محض ہوا و ہوس کے مضامین میں محدود کہنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے جذبات کا اظہار بنانا چاہیے۔٦

"لغت میں غزل کے معنی عورتوں سے باتیں کرنا ہے یعنی ایسی صنف جس میں عورتوں کا تذکرہ ہو یا ان سے باتیں کی جاہیں ."غزل" کہلاتی ہے۔۷ ادب میں غزل وہ صنف سخن ہے جس میں سوز و گداز درد اور کسک کے مضامین ادا کئے جائیں غزل عام طور پر پانچ سے سترہ شعروں تک ہوتی ہے اس کا ہر شعر جدا رنگ کا مضمون رکھتا ہے البتہ سارے شعر ھم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں غزل کو ہم گلدستے سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس میں مختلف رنگ اور قسموں کے پھول ہوتے ہیں غزل میں اتنی وسعت اور کشادگی کی گنجائش پائی جاتی ہے کہ کائنات اور اسکی ہر چیز اسی بنا پر غزل میں مذہبی معاشرتی، سیاسی، تہذیبی، اخلاقی عاشقانہ حکیمانہ و فلسفیانہ موضوعات پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔۸

بلوچی غزل

اب ہم آتے ہیں بلوچی زبان میں غزل گوئی کی طرف۔

بلوچی زبان میں غزل گوئی کی عمر بہت کم ہے یعنی بلوچی زبان میں پہلے غزل نہیں تھی اس بارے میں سید ہاشمی اپنی کتاب "بلوچی زبان و ادب کی تاریخ" (ایک جائزہ) میں کچھ اسطرح بیان کرتے ہیں۔

> "اگر یہ کہا جائے کہ بلوچی جدید شعری ادب کا آغاز ۲۳۔۱۹۲۲ میلادی کے لگ بھگ ہوا ہے تو لوگوں کو اس میں ضرور مبالغہ سا نظر آئے گا۔ اس کا محرک چاہے کچھ بھی ہو مگر زبان کی خدمت کا جذبہ بلکل ہی نہ تھا سب سے پہلے یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ جدید بلوچی شعری ادب غزل گوئی سے آغاز ہوا ہے۔ حالانکہ یہ تسلیم شدہ ہے

کہ یہ صنف سخن اس سے پہلے بلوچی زبان میں بالکل ناپید تھی اور سب سے پہلے غزل کا آغاز کراچی کے ملنگ بابا (وفات ۱۳۴۴ ھجری) نے کیا۔۹

سید ھاشمی مزید کہتے ہیں۔ ملنگ شاہ کی جتنی بھی غزلیں آج ہم تک پہنچی ہیں وہ سب کے سب ان کے عقیدت مند مُریدوں کو زبانی یاد تھیں اور چونکہ اکثر گانے والے ان پڑھ ہوا کرتے تھے۔ اس لئے ان میں غلطیاں بھی تھیں اور یہ بات یقین سے کہی جاسکتی کہ ان کی غزلیں فنی اعتبار سے بھی مکمل تھیں۔ آج جو خرابیاں ان میں ان گانے والوں کی طرف سے واقع ہوئی ہیں وہ با آسانی پہچانی جاتی ہیں اور ان کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ابھی تک ان کے مجموعہ کلام کو یکجا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔۱۰

صباد شتیاری سید ملنگ شاہ کی غزلوں کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں۔

"بلوچ شاعروں نے پہلے زیادہ تر اُردو میں شاعری غزل گوئی پر کی ہے ملنگ شاہ ان میں سے ایک ہیں انھوں نے شروع میں اُردو میں شاعری کی ہے۔ ان کے اُردو کے بہت بہت سے اشعار سننے میں آتے ہیں لیکن مجھے ان کی اُردو کی ایک نظم ملی ہے یہ منقبت ہے۔ یہاں پر دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

تمھارا ہوں میں دیوانہ بخاری
پلا تھوڑا سا پیمانہ بخاری پیر مستانہ
ترے دربار جو آئے مرادان دل کی بھر
پاوے
ترا درگاہ فقیرانہ بخاری پیر مستانہ ۱۱

سید ملنگ شاہ کی شاعری میں تصوف کا رنگ زیادہ ہے۔ اور ان کی غزلوں میں بھی تصوف کا رنگ ملتا ہے۔ صباد شتیاری صاحب ان کے تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

کہ سید ملنگ شاہ کی زندگی بھی اسی پہلو کی طرف ہے کہ وہ پیری مُرید کی طرف زیادہ تھے اور وہ خود بھی پیر اور اولیاء کو مانتے تھے وہ سندھ اور ہند کے اولیاؤں کے زیارت گاہ پر بھی گئے ہیں اور ان کے شان میں اشعار بھی کہتے ہیں۔ ایک طرح سے وہ تصوف سے کافی نزدیک رہے ہیں۔ ۱۲

سید ہاشمی سید ملنگ شاہ کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جب تک ملنگ شاہ زندہ تھے کسی دوسرے جدید شاعر کا نام سننے میں نہیں آیا ان کے وفات کے بعد دو چار جدید رنگ میں نعت گو شعراء نے ظہور کیا۔ اور پھر دو ایک اور غزل گو شعراء پیدا ہو گئے۔ جن میں عبدالحکیم حقگو اور محمد خان جنگی پیش تھے۔ مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو مرحوم ملنگ بابا کی وفات سے لیکر پاکستان بننے تک ایک خلا سا تھا۔ جسکو کوئی اِکا دکا غزل یا نعت کہنے والا شاعر پُر نہ کر سکا۔ ۱۳

بلوچی جدید شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے ہوئی تھی اور وہ بھی فارسی کی پیروی میں اور اُردو غزل کی دیکھا دیکھی بلوچ شعرا نے بھی بلوچی غزل کہنی شروع کی۔ پہلے بلوچ شاعر اُردو میں شاعری کرتے تھے بلوچی غزل فارسی کی پیروی کرتی ہے کیونکہ ان دونوں زبانوں کا بہت پُرانا رشتہ ہے اُردو غزل گوئی بھی فارسی غزل کی نقل ہے۔

ا۔ ھم آتے ہیں سید ھاشمی کی غزل گوئی کی طرف اور ایسے ہی جدید شعری ادب میں سید ظہور شاہ ھاشمی بھی ایک ایسا نام ہے جنھوں نے اپنی بلوچی شاعری کی ابتدا کی تو غزل ہی سے اور انھیں غزلوں کی بدولت کافی شہرت ملی۔

اور ان کی غزلوں کو کافی داد بھی ملی سید کے غزلوں میں بلوچی پرانی شاعری کے رنگ ملتے ہیں۔ سید ھاشمی نے بلوچی زبان میں غزل کو واقعی رواج دیا۔ اور آج غزل بلوچی دنیا میں اس قدر مشہور ہے کہ لوگ بلوچی غزلوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور سید کی غزلوں کے بارے میں مختلف ادیب اور شاعروں نے اپنی اپنی رائے دی۔

بشیر احمد بلوچ سید کی غزلوں کے بارے میں اسطرح بیان کرتے ہیں۔

"کہ سید شاعری میں غزل کا بادشاہ ہے۔ ۱۴

کریم دشتی اسطرح رقمطراز ہیں۔ انھوں نے سید کو بلوچی کے مشہور غزل گو شعرا میں ایک مقام دیا ہے۔

"ان کی شاعری میں زبان صاف رنگ نمایاں ہیں۔ جس کی وجہ سے اُردو فارسی کے الفاظ بلوچی زبان میں نمایاں طور پر کھب گئے۔ ۱۵

سید ہاشمی اپنے ایک انٹرویو کے دوران خود بھی بتاتے ہیں۔ میرا اصل مقصد اور مراد غزل کو صحیح مضمون میں بلوچی مین رواج دینا تھا۔ اور میں اس میں کامیاب بھی رہا۔

شگر گالیں منی ھانل دوسے گال

سید پتو پر بند گ ءَ اِنت ۱۶

ترجمہ: میری خوش گفتار حانُل سید تمھارے لیے دو تین اشعار پھر سے کہہ رہا ہے۔ "سید ھاشمی کی غزل کا فکری سرچشمہ وہی انسانی محسوسات ہیں جو کہ غزل کی روایت سے وابستہ ہیں اور اسی اعتبار سے ان کی غزل فارسی کے حافظ شیرازی اور اُردو کے غالب کے ہم پلہ نظر آتی ہے مگر دو چیزیں ان کی شاعری کا بنیادی فکری منبع ہیں اور انہی دو چیزوں کو انھوں نے کئی رنگوں میں پینٹ کر کے اپنی غزل کے کینوس میں جگہ دی ہے ایک ان کا حانُل (محبوبہ) ہے اور دوسری ان کی قوم ہے۔ ۱۷

بلوچی شاعری کے حوالے سے سید ظہور شاہ ہاشمی وہ شخصیت ہیں جسے ھم صحیح معنوں میں غزل گو شاعر کہہ سکتے ہیں اور ان کی غزل کے بارے میں صرف اتنا کچھ کہنا ہی کافی ہے کہ انھوں فنی اعتبار سے بلوچی غزل کو ایک کامل صورت عطا کی انھوں نے نہ صرف غزل کو بلوچی مزاج اور آہنگ عطا کی۔ بلکہ اسے ایک منفرد اسلوب سے بھی ہمکنار کیا۔

سید ظہور شاہ ھاشمی کے بعد مراد ساحر غزل کا سب سے بڑا نام ہے۔ جنھوں نے روایتی تشبیہات و استعارات اور مستعار و تقلیدی افکار کے برعکس بلوچی غزل کے حوالے سے ایک نئی شعری زبان اور الفاظ و تراکیب کا ایک نیا (Syntox) وضع کیا جس سے احساسات و جذبات کے ذریعے نئے دریچے وانے کے ساتھ ساتھ تجربات و واردات کے نئے امکانات سامنے آئے۔

پروفیسر صباد شتیاری ان کی غزل گوئی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> "کہ مراد ساحر کے بارے میں بلا خوف و خطر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں سادگی پُرکاری بدرجہ اتم موجود ہے اور یہی چیز ان کی غزل کی روح ہے ان کی زبان سادہ اور سہل ہے اور ان کے فن کا کینوس حیران کن حد تک وسیع اور گہرا ہے جدت پسندی ان کے فن کا خاصہ ہے"۔ ۱۸

روایتی خیال و مضامین کے برعکس سماجی اور سیاسی موضوعات کو غزل میں جگہ دینے کا جو اجتہادانہ عمل سید ھاشمی نے شروع کیا تھا۔ مراد ساحر تک پہنچتے پہنچتے یہ رویہ ایک طاقت ور توانا روایت کی صورت اختیار کر گیا اور بعد کے آنے والے شعراء بھی کسی نہ کسی شکل میں اس توانا روایت کے زیر اثر رہے۔

کریم دشتی جو بنیادی طور پر نقاد کی حیثیت سے بلوچی ادب میں پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن انھوں نے تنقید نگاری کے علاوہ شاعری میں بھی ایک مقام حاصل کیا ان کے ہاں روایت اور جدت کی خوبصورت امتزاج کے علاوہ فکر و خیال کی گہرائی اور اچھوتا پن نمایاں ہے۔

صباد شتیاری ان کے فن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"کہ داخلیت رمزیت غزل کے بنیادی اور لازمی عناصر شمار ہوتے ہیں۔ اگر
ہم کریم دشتیکی غزل پر نگاہ ڈالیں تو ان کے ہاں یہ دونوں چیزیں فنی پختگی کے ساتھ
نمایاں ہے اور ایسے ہی ظفر علی ظفر بھی غزل میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔۱۹

اور وہ پچھلے چالیس سال سے مسلسل غزل لکھ رہے ہیں جس سے ان کے ہاں موضوعات کی تنوع گہرائی اور وسعت نظر آتی ہے۔

ساٹھ کی دہائی کے آخری سالوں اور ستر کی دہائی میں غزل کے حوالے سے جی آر ملا۔ بشیر بیدار، اُلفت نسیم، ابراہیم عابد، مومن بزدار، غوث بخش صابر، بانل دشتیاری اسماعیل ممتاز پیر بخش پیرل برکت اللہ بلوچ، غلام فاروق انور صاحب خان، رزاق نادر، صوفی اسحاق، ساجد بُزدار، غلام حسین شوہاز، اقبال راز، تاج محمد طاہر اور دوسرے بہت سے شعرا کے نام سامنے آتے ہیں جنھوں نے غزل کے موضوعاتی دائرہ کو وسیع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

80 دہائی میں نئے شاعروں کی ایک بڑی تعداد سامنے آئی ان میں مبارک قاضی، فضل خالق، صباد شتیاری، عابد آسکانی، ڈاکٹر علی دوست، سلطان نعیم قیصرانی، حفیظ حسن آبادی گل محمد وفا، اسلم ابرار، حسرت بلوچ، رزاق دیدگ، غنی پہوال، منیر مومن کے نام نمایاں ہیں۔ جنھوں نے غزل کی جانب توجہ دی اور اس کے کینوس کو وسیع تر بنانے کے لیے نئے تجربے کیئے۔

حوالہ جات(References)

۱۔ مرزا ادیب، تنقیدی مقالات مرتبہ، ۱۹۶۴، لاہور اکیڈمی، ص ۷

۲۔ صدیقی رشید احمد، جدید غزل ۱۹۷۹ اردو اکیڈمی سندھ کراچی

۳۔ فتح پوری نیاز بیسوی صدی میں اردو غزل (پیش لفظ) ۱۹۸۷ اردو اکیڈمی سندھ ص ۱۳

۴۔ ماہنامہ افکار معلم ۲۰۰۳ لاہور ص ۴۲

۵۔ عابد علی عابد، سید، اصول انتقاد ادبیات، ۱۹۶۰ مجلس ترقی ادب لاہور، ص ۳۳۵

۶۔ مقدمہ شعر و شاعری، اگست ۱۹۷۱ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ص ۱۵۹

۷۔ صابر عبد الرزاق ادب، نابشخاک، جوان ۱۹۷۱ براہوی سوسائٹی کوئٹہ، ۲۵

۸۔ ایضاً۔۔ ص ۱۲۵

۹۔ ہاشمی ظہور شاہ سید، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ (ایک جائزہ) ۱۹۷۴ سید ہاشمی اکیڈمی کراچی، ۱۲۵

۱۰۔ ایضاص، ۱۲۵

۱۱۔ صباد شتیاری انگریں واہگ، ۱۹۹۹ سید ہاشمی اکیڈمی کراچی، ص ۶۱

۱۲۔ ایضاً ص، ۲

۱۳۔ ہاشمی ظہور شاہ سید، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ (ایک جائزہ) ۱۹۷۴ سید ہاشمی اکیڈمی کراچی ص، ۱۲۸

۱۴۔ بلوچی بشیر احمد، ''سیدءِ ھانل'' تاکبند سنج ہاشمی اکیڈمی کراچی، ص ۹

۱۵۔ گلگدارے گوں کریم دشتیءَ تاکبند برمش، ۱۹۸۴ سید ہاشمی اکیڈمی کراچی ص، ۱۴۴

۱۶۔ عابد آسکانی اصغر آمد شھسا اگست ۲۰۰۱ ص ۹۹

۱۷۔ صباد شتیار انگریں واہگ، ص ۲۱۲

۱۸۔ صباد شتیاری، گلکار وچنکار، ۱۹۹۰ بہار گاہ پبلیکشنز کراچی، ص، ۴۸

۱۹۔ ایضاً۔ ص ۸۲